انشائیہ

انگریزی میں انشائیہ اور مضمون دونوں کے لیے Essay کی اصطلاح رائج ہے۔ انشائیہ ادیب کی ذہنی رَو اور ادبی اسلوب کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ انشائیہ نگار زندگی کی عام یا خاص بات یا کیفیت کو اپنی افتادِ طبع، علمیت اور شگفتہ نگاری سے پُر لطف انداز میں بیان کر دیتا ہے۔ ابتدا میں تمثیلی انشائیے بھی لکھے گئے۔ انھیں رمزیے (Allegory) کہا جاتا ہے۔ ان کی بہترین مثال محمد حسین آزاد کی کتاب 'نیرنگِ خیال' ہے۔ سرسیدؔ، شبلیؔ، حالیؔ اور خواجہ حسن نظامیؔ سے لے کر نیازؔ فتح پوری، سیّد عابد حسین، خواجہ غلام السیّدین، محمد مجیب، رشید احمد صدیقی اور ان کے بعد کے لکھنے والوں کی بعض تحریریں انشائیہ بھی کہی جا سکتی ہیں اور مضمون بھی۔ کنہیالال کپور، مشتاق احمد یوسفی، یوسف ناظم، وزیر آغا اور مجتبیٰ حسین وغیرہ ہمارے زمانے کے ممتاز انشائیہ نگار ہیں۔

سر سیّد احمد خاں

(1898 – 1817)

سیّد احمد خاں دہلی میں پیدا ہوئے۔ سیّد احمد نے اپنے زمانے کے اہلِ کمال سے فیض حاصل کیا۔ 1839ء میں انھوں نے انگریزی سرکار کی ملازمت اختیار کی اور مختلف مقامات پر کام کیا۔ 1862ء میں جب وہ غازی پور میں تھے، انھوں نے ایک انجمن 'سائنٹفک سوسائٹی' کے نام سے بنائی۔ اس انجمن کا مقصد یہ تھا کہ مختلف علوم، خاص کر سائنس کے علوم کا مطالعہ کیا جائے اور ان علوم کو ہندوستانیوں میں عام کیا جائے۔ 1869ء میں سیّد احمد خاں ایک سال کے لیے انگلستان گئے۔ واپس آکر انھوں نے انگریزی کے علمی اور سماجی رسالوں کی طرز پر اپنا ایک رسالہ 'تہذیب الاخلاق' نکالنا شروع کیا۔

انگلستان سے واپس آکر سیّد احمد خاں نے علی گڑھ میں 1875ء میں ایک اسکول کھولا۔ یہ اسکول 1878ء میں 'محمڈن اینگلو اورینٹل کالج' اور پھر 1920ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی شکل میں ہندوستان کا ایک نمایاں تعلیمی ادارہ بن گیا۔

1878ء میں سیّد احمد خاں کو 'سر' کا خطاب ملا۔ اس لیے لوگ انھیں 'سر سیّد' کے نام سے جانتے ہیں۔ سر سیّد آخر عمر تک قومی کام، کالج کی دیکھ بھال اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہے۔ ان کی متعدد تصانیف میں 'آثار الصّنادید'، 'اسبابِ بغاوتِ ہند' اور 'سرکشیِ ضلع بجنور' خاص طور پر اہمیت رکھتی ہیں۔ ان کے مضامین کئی جلدوں میں مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع ہوئے ہیں۔ ان میں سائنس، فلسفہ، مذہب اور تاریخ سے متعلق مضامین ہیں۔

جدید اردو نثر کی بنیاد ڈالنے کے ساتھ ساتھ سرسیّد نے اردو میں مختصر مضمون نگاری کو بھی فروغ دیا۔ لمبی لمبی تحریروں کے بجائے چند صفحات میں کام کی بات کہنے کا فن سرسیّد نے عام کیا۔ سرسیّد اپنے زمانے کے مفکّر اور مُصلح تھے اور ان کی نثر میں، وہی وزن اور وقار ہے جو ان کی شخصیت میں تھا۔

© NCERT not to be republished

4914CH01

گُزرا ہوا زمانہ

برس کی اخیر رات کو ایک بڈّھا اپنے اندھیرے گھر میں اکیلا بیٹھا ہے، رات بھی ڈراونی اور اندھیری ہے، گھٹا چھا رہی ہے، بجلی تڑپ تڑپ کر کڑکتی ہے، آندھی بڑے زور سے چلتی ہے، دل کانپتا ہے اور دَم گھبراتا ہے۔ بڈّھا نہایت غمگین ہے، مگر اس کا غم نہ اندھیرے گھر پر ہے، نہ اکیلے پن پر اور نہ اندھیری رات اور بجلی کی کڑک اور آندھی کی گونج پر اور نہ برس کی اخیر رات پر۔ وہ اپنے پچھلے زمانے کو یاد کرتا ہے اور جتنا زیادہ یاد آتا ہے اتنا ہی زیادہ اس کا غم بڑھتا ہے۔ ہاتھوں سے ڈھکے ہوئے منھ پر آنکھوں سے آنسو بھی بہے چلے جاتے ہیں۔

پچھلا زمانہ اس کی آنکھوں کے سامنے پھرتا ہے، اپنا لڑکپن اس کو یاد آتا ہے، جب کہ اس کو کسی چیز کا غم اور کسی بات کی فکر دل میں نہ تھی۔ روپیے، اشرفی کے بدلے ریوڑی اور مٹھائی اچھّی لگتی تھی۔ سارا گھر ماں باپ، بھائی بہن اس کو پیار کرتے تھے۔ پڑھنے کے لیے چھُٹّی کا وقت جلد آنے کی خوشی میں کتابیں بغل میں لیے مکتب میں چلا جاتا تھا۔ مکتب کا خیال آتے ہی اس کو اپنے ہم مکتب یاد آتے تھے۔ وہ زیادہ غمگین ہوتا تھا اور بے اختیار چِلّا اُٹھتا تھا ''ہائے وقت، ہائے وقت! گزرے ہوئے زمانے! افسوس کہ میں نے تجھے بہت دیر میں یاد کیا۔''

پھر وہ اپنی جوانی کا زمانہ یاد کرتا تھا۔ اپنا سرخ سفید چہرہ، سڈول ڈیل، بھرا بھرا بدن، رسیلی آنکھیں، موتی کی لڑی سے دانت، امنگ میں بھرا ہوا دل، جذباتِ انسانی کے جوشوں کی خوشی اسے یاد آتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھائے ہوئے زمانے میں ماں باپ جو نصیحت کرتے تھے، نیکی اور خدا پرستی کی بات بتاتے تھے اور یہ کہتا تھا ''اُہ ابھی بہت وقت ہے'' اور بڑھاپے کے آنے کا کبھی خیال بھی نہ کرتا تھا۔ اس کو یاد آتا تھا اور افسوس کرتا تھا کہ کیا اچھّا ہوتا اگر جب ہی میں

© NCERT not to be republished

اس وقت کا خیال کرتا اور خداپرستی اور نیکی سے اپنے دل کو سنوارتا اور موت کے لیے تیار رہتا۔ آہ وقت گزر گیا، آہ وقت گزر گیا۔ اب پچھتائے کیا ہوتا ہے۔ افسوس میں نے آپ اپنے تئیں ہمیشہ یہ کہہ کر برباد کیا کہ ''ابھی وقت بہت ہے۔''

یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور ٹٹول ٹٹول کر کھڑکی تک آیا۔ کھڑکی کھولی، دیکھا کہ رات ویسی ہی ڈراونی ہے، اندھیری گھٹا چھا رہی ہے، بجلی کی کڑک سے دل پھٹا جاتا ہے، ہولناک آندھی چل رہی ہے، درختوں کے پتّے اُڑتے ہیں اور ٹہنے ٹوٹتے ہیں، تب وہ چلّا کر بولا ''ہائے ہائے میری گزری ہوئی زندگی بھی ایسی ہی ڈراونی ہے جیسی یہ رات'' یہ کہہ کر پھر اپنی جگہ آ بیٹھا۔

اتنے میں اس کو اپنے ماں باپ، بھائی بہن، دوست آشنا یاد آئے جن کی ہڈّیاں قبروں میں گل کر خاک ہو چکی تھیں۔ ماں گویا محبت سے اس کو چھاتی سے لگائے آنکھوں میں آنسو بھرے کھڑی ہے۔ یہ کہتی ہوئی کہ ہائے بیٹا وقت گزر گیا۔ باپ کا نورانی چہرہ اس کے سامنے ہے اور اس میں سے یہ آواز آتی ہے کہ کیوں بیٹا ہم تمھارے ہی بھلے کے لیے نہ کہتے تھے۔ بھائی بہن دانتوں میں انگلی دیے ہوئے خاموش ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری ہے۔ دوست آشنا سب غمگین کھڑے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب ہم کیا کر سکتے ہیں۔

ایسی حالت میں اس کو اپنی وہ باتیں یاد آتی تھیں جو اس نے نہایت بے پروائی اور بے مروّتی اور کج خلقی سے اپنے ماں باپ، بھائی، بہن، دوست آشنا کے ساتھ برتی تھیں۔ ماں کو رنجیدہ رکھنا، باپ کو ناراض کرنا، بھائی بہن سے بے مروّت رہنا، دوست آشنا کے ساتھ ہمدردی نہ کرنا یاد آتا تھا اور اس پر ان گلی ہڈیوں میں سے ایسی محبت کا دیکھنا اس کے دل کو پاش پاش کرتا تھا۔ اس کا دم چھاتی میں گھٹ جاتا تھا اور یہ کہہ کر چلّا اٹھتا تھا کہ ہائے وقت نکل گیا، ہائے وقت نکل گیا، اب کیوں کر اس کا بدلہ ہو!

وہ گھبرا کر پھر کھڑکی کی طرف دوڑا اور ٹکراتا لڑکھڑاتا کھڑکی تک پہنچا۔ اس کو کھولا اور دیکھا کہ ہوا کچھ ٹھہری ہے اور بجلی کی کڑک کچھ تھمی ہے پر رات ویسی ہی اندھیری ہے۔ اس کی گھبراہٹ کچھ کم ہوئی اور پھر اپنی جگہ آ بیٹھا۔

اتنے میں اس کو اپنا اَدھیڑ پن یاد آیا جس میں کہ نہ وہ جوانی رہی تھی اور نہ وہ جوانی کا جوبن، نہ وہ دل رہا تھا اور نہ دل کے ولولوں کا جوش، اس نے اپنی اس نیکی کے زمانے کو یاد کیا جس میں وہ بہ نسبت بدی کے نیکی کی طرف زیادہ مائل تھا۔ وہ اپنا روزہ رکھنا، نمازیں پڑھنی، حج کرنا، زکوٰۃ دینی، بھوکوں کو کھلانا، مسجدیں اور کنویں بنوانا یاد کرکر اپنے دل کو تسلّی دیتا تھا۔ فقیروں اور درویشوں کو جن کی خدمت کی تھی، اپنے پیروں کی جن سے بیعت کی تھی اپنی مدد کو پکارتا تھا، مگر دل کی بے قراری نہیں جاتی تھی۔ وہ دیکھتا تھا کہ اس کے ذاتی اعمال کا اسی تک خاتمہ ہے۔ بھوکے پھر ویسے ہی بھوکے ہیں، مسجدیں ٹوٹ کر یا تو کھنڈر ہیں اور یا پھر ویسے ہی جنگل ہیں۔ کنویں اندھے پڑے ہیں۔ نہ پیر اور نہ فقیر، کوئی اس کی آواز نہیں سنتا اور نہ مدد کرتا ہے۔ اس کا دل پھر گھبراتا ہے اور سوچتا ہے کہ میں نے کیا کیا جو تمام فانی چیزوں پر دل لگایا۔ یہ پچھلی سمجھ پہلے ہی کیوں نہ سوجھی، اب کچھ بس نہیں چلتا اور پھر یہ کہہ کر چلّا اٹھا ''ہائے وقت، ہائے وقت! میں نے تجھ کو کیوں کھودیا؟''

وہ گھبرا کر پھر کھڑکی کی طرف دوڑا۔ اس کے پٹ کھولے تو دیکھا کہ آسمان صاف ہے، آندھی تھم گئی ہے، گھٹا کھُل گئی ہے، تارے نکل آئے ہیں، ان کی چمک سے اندھیرا بھی کچھ کم ہوگیا ہے۔ وہ دل بہلانے کے لیے تاروں بھری رات کو دیکھ رہا تھا کہ یکا یک اس کو آسمان کے بیچ میں ایک روشنی دکھائی دی اور اس میں ایک خوبصورت دلہن نظر آئی۔ اس نے ٹکٹکی باندھ اسے دیکھنا شروع کیا۔ جوں جوں وہ اسے دیکھتا تھا وہ قریب ہوتی جاتی تھی، یہاں تک کہ وہ اس کے بہت پاس آگئی۔ وہ اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیران ہوگیا اور نہایت پاک دل اور محبّت کے لہجے سے پوچھا کہ تم کون ہو، وہ بولی کہ میں ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی ہوں۔ اس نے پوچھا کہ تمھاری تسخیر کا بھی کوئی عمل ہے۔ وہ بولی ہاں ہے، نہایت آسان پر بہت مشکل۔ جو کوئی خدا کے فرض اس بدوی کی طرح جس نے کہا کہ ''واللّٰہ لا ازید و لاانقص'' ادا کرکر انسان کی بھلائی اور اس کی بہتری میں سعی کرے اس کی میں مسخر ہوتی ہوں۔ دنیا میں کوئی چیز ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے، انسان ہی

ایسی چیز ہے جو اخیر تک رہے گا۔ پس جو بھلائی کہ انسان کی بہتری کے لیے کی جاتی ہے وہی نسل در نسل اخیر تک چلی آتی ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اسی تک ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی موت ان سب چیزوں کو ختم کر دیتی ہے۔ مادّی چیزیں بھی چند روز میں فنا ہو جاتی ہیں، مگر انسان کی بھلائی اخیر تک جاری رہتی ہے۔ میں تمام انسانوں کی روح ہوں، جو مجھ کو تسخیر کرنا چاہے انسان کی بھلائی میں کوشش کرے کم سے کم اپنی قوم کی بھلائی میں تو دل و جان و مال سے ساعی ہو۔ یہ کہہ کر وہ دلہن غائب ہو گئی اور بڈھا پھر اپنی جگہ آ بیٹھا۔

اب پھر اس نے اپنا پچھلا زمانہ یاد کیا اور دیکھا کہ اس نے اپنی پچپن برس کی عمر میں کوئی کام بھی انسان کی بھلائی اور کم سے کم اپنی قومی بھلائی کا نہیں کیا تھا۔ اس کے تمام کام ذاتی غرض پر مبنی تھے۔ نیک کام جو کیے تھے ثواب کے لالچ اور گویا خدا کو رشوت دینے کی نظر سے کیے تھے۔ خاص قومی بھلائی کی خالص نیت سے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔

اپنا حال سوچ کر وہ اس دل فریب دلہن کے ملنے سے مایوس ہوا۔ اپنا اخیر زمانہ دیکھ کر آئندہ کرنے کی بھی کچھ امید نہ پائی۔ تب تو نہایت مایوسی کی حالت میں بے قرار ہو کر چلّا اٹھا ”ہائے وقت، ہائے وقت، کیا پھر تجھے میں بُلا سکتا ہوں؟ ہائے میں دس ہزار دینار یں دیتا اگر وقت پھر آتا اور میں جوان ہو سکتا۔“ یہ کہہ کر اس نے ایک آہِ سرد بھری اور بے ہوش ہو گیا۔

تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ اس کے کانوں میں میٹھی میٹھی باتوں کی آواز آنے لگی۔ اس کی پیاری ماں اس کے پاس آ کھڑی ہوئی، اس کو گلے لگا کر اس کی بیّ لی۔ اس کا باپ اس کو دکھائی دیا۔ چھوٹے چھوٹے بھائی بہن اس کے گرد آ کھڑے ہوئے۔ ماں نے کہا کہ بیٹا کیوں برس کے برس دن روتا ہے؟ کیوں تو بے قرار ہے؟ کس لیے تیری ہچکی بندھ گئی ہے؟ اُٹھ منھ ہاتھ دھو، کپڑے پہن، نوروز کی خوشی منا، تیرے بھائی بہن تیرے منتظر کھڑے ہیں۔ تب وہ لڑکا جاگا اور سمجھا کہ میں نے خواب دیکھا اور خواب میں بڈّھا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنا سارا خواب اپنی ماں سے کہا۔ اس نے سن کر اس کو جواب دیا کہ بیٹا بس تو ایسا مت کر جیسا کہ اس پشیمان بڈھے نے کیا، بلکہ ایسا کر جیسا تیری دلہن نے تجھ سے کہا۔

یہ سن کر وہ لڑکا پلنگ پر سے کود پڑا اور نہایت خوشی سے پکارا کہ او یہی میری زندگی کا پہلا دن ہے، میں کبھی اس بڈّھے کی طرح نہ پچھتاؤں گا اور ضرور اس دلہن کو بیاہوں گا جس نے ایسا خوبصورت اپنا چہرہ مجھ کو دکھلایا اور ہمیشہ زندہ رہنے والی نیکی اپنا نام بتلایا۔ او خدا، او خدا تو میری مدد کر، آمین۔

پس اے میرے پیارے نوجوان ہم وطنو! اور اے میری قوم کے بچّو، اپنی قوم کی بھلائی پر کوشش کرو، تاکہ اخیر وقت میں اس بڈّھے کی طرح نہ پچھتاؤ۔ ہمارا زمانہ تو اخیر ہے اب خدا سے یہ دعا ہے کہ کوئی نوجوان اٹھے اور اپنی قوم کی بھلائی میں کوشش کرے، آمین۔

سر سیّد احمد خاں

مشق

لفظ و معنی

مکتب	:	مدرسہ
کج خُلقی	:	مزاج کا کڑوا پن، روکھا پن
بیعت کرنا	:	مُرید بننا، اطاعت کا عہد لینا
تسخیر	:	قابو میں کرنا، فتح کرنا
بدوی	:	عرب کے وہ باشندے جو گھر نہیں بناتے، ریگستانوں میں رہتے ہیں اور زیادہ تر زندگی اونٹوں پر یا خیمے میں گزارتے ہیں۔
واللہ لا ازید ولا انقص	:	(عربی فقرہ) خدا کی قسم نہ میں زیادہ کروں گا اور نہ کم
سعی	:	کوشش

© NCERT not to be republished

ساعی : کوشش کرنے والا

مبنی : منحصر

پشیمان : شرمندہ، پچھتانے والا

غور کرنے کی بات

- سرسیّد اپنے زمانے کے مفکّر اور مُصلح تھے۔ ان کی نثر میں وہی سنجیدگی، وزن اور وقار ہے جو ان کے کردار میں تھا۔
- اس مضمون میں سرسیّد کا اسلوب بڑا افسانوی ہے۔ آخری اقتباس سے قبل یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ سرسیّد کی کہانی کا ہیرو کوئی بوڑھا نہیں بلکہ ایک کم عمر لڑکا ہے۔
- سرسیّد وقت کی اہمیت کو اچھّی طرح سمجھتے تھے اور اپنی تحریروں کے ذریعے وہ قوم کے نوجوانوں کو وقت کی قدر و قیمت کا احساس دلاتے رہتے تھے۔

سوالوں کے جواب لکھیے

1. بوڑھا اپنی جوانی کے زمانے کو کن لفظوں میں یاد کرتا ہے؟
2. سرسیّد نے برس کی اخیر رات کا ذکر کس طرح کیا ہے؟
3. بوڑھے کو جو خوب صورت دلہن نظر آئی، اس سے مصنّف کی کیا مراد ہے؟
4. ماں نے لڑکے کو کیا نصیحت کی؟
5. لڑکے نے کیا عہد کیا؟
6. آخری پیراگراف میں سرسیّد نے قوم کے نوجوانوں کو کیا نصیحت کی ہے؟

© NCERT not to be republished

عملی کام

- سبق کی بلند خوانی کیجیے۔
- مضمون میں 'نیکی بدی'، 'آسان مشکل' جیسے متضاد الفاظ ایک ساتھ استعمال کیے گئے ہیں۔
آپ اسی طرح کے کچھ متضاد الفاظ سوچ کر لکھیے۔
- مندرجہ ذیل محاوروں کو جملوں میں استعمال کیجیے:
دل پاش پاش ہونا، ہچکی بندھنا، ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا
- مندرجہ ذیل لفظوں میں سے مذکر اور مونث الگ الگ کیجیے:
اندھیرا، زندگی، آشنا، جوبن، کھڑکی، گھٹا، بجلی، بادل

© NCERT not to be republished